دخیل ہوئے، تو حکومتوں کا دائرۂ کار و اختیار بھی وسیع ہوا، اور جیسے جیسے حلقہ ہائے انتخاب میں وسعت ہوتی گئی، حکومتوں کی ذمہ داریاں اور اسی حساب سے ان کے اختیارات بھی بتدریج بڑھتے گئے، پھر جب سے فلاحی مملکت کا تصور عام ہوا ہے۔ اور منصوبہ بند معیشت ملکی و قومی سیاست کا ایک لازمی جزو بن گئی ہے، حکومتوں کی ذمہ داریاں اور ان کے اختیارات اور بھی بڑھ گئے ہیں۔ اور وہ ایک لحاظ سے زندگی کے ہر شعبے میں ہمہ گیر ہوتی جا رہی ہیں۔

یہ اچھا ہے یا بُرا، یہ بحث دوسری ہے۔ لیکن ایسا ہونا ناگزیر تھا، اور اس سے کسی ملک کو بھی مفر نہیں۔ یہاں تک کہ برطانیہ جیسے ملک کو جو کسی زمانے میں "آزاد تجارت" کا سب سے بڑا علمبردار تھا۔ آخر میں فلاحی مملکت کی پابندیاں قبول کرنی پڑیں۔ ان حالات میں آج کل کی حکومتوں کو، ان کے فرمانروا اور حاکم افراد سے قطع نظر، جو بالعموم ملک کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی ضرورتوں اور تقاضوں کو پیش نظر رکھنے پر مجبور ہوتی ہیں، اپنے عوام کی شخصی معاشرتی اور اقتصادی زندگی میں کسی نہ کسی حد تک دخل دینا پڑتا ہے اور پاکستان جیسے ملک میں جو نو آزاد، کم ترقی یافتہ اور غریب و پس ماندہ ملکوں میں سے ہے، قومی حکومت کو ان معاملات میں شاید اور زیادہ دخل دینا پڑے۔

ہم اپنے محترم علمائے کرام سے یہ درخواست کریں گے کہ وہ شخصی عائلی معاشرتی اور اقتصادی قسم کی مجوزہ قانونی تبدیلیوں کو جو وقتاً فوقتاً حکومت کے زیر بحث آتی ہیں، اس تاریخی پس منظر اور اس کے تقاضوں کی روشنی میں دیکھیں ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اس ضمن میں حکومت کے ہر قانونی اقدام کی تائید کریں اور عملاً سیاسی اقتدار کے محض تابع بن کر رہ جائیں۔ ہمارے نزدیک علمائے کرام کا مقام اس سے بہت بلند ہے! بے شک وہ ان اقدامات پر جو ان کے نزدیک شریعت اسلامی کے منافی ہوں، ضرور تنقید کریں۔ اور ارباب اقتدار کی ایسی لغزشوں پر انہیں ٹوکیں اور سخت سے سخت لہجے میں ٹوکیں، لیکن اس معاملے میں ان کا منصب مرشد او ردینی رہنما کا ہونا چاہیئے۔ نہ کہ حکومت کے ایک سیاسی حریف کا۔ لیکن اگر خدانخواستہ ان مسائل کی آڑ میں "اسلام خطرے میں ہے" کی عوامی ایجی ٹیشن شروع کی گئی اور اس طرح مذہب کے نام سے عوام کے جذبات اکسا کر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش ہوئی، تو اس کا انجام نہ ان اقتدار خواہ سیاسی علماء کے لئے اچھا ہوگا، اور نہ اس سے ملک و قوم کو کوئی فائدہ پہنچے گا۔